© rasailojaraid.com

قرآن مجید اور اس کی حفاظت

(۳)

(از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

یہ سب کچھ ہو گذرا مگر اب بھی اس کی مہر خاموشی نہیں ٹوٹتی کچھ نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ ورقہ بن نوفل کہتا ہے "تم وہ ہو جس کا عالم منتظر تھا۔ تمہارے پاس یہ وہی ناموس آیا تھا جو پہلے بھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آچکا ہے۔ کتبِ سابقہ تمہاری بشارتوں سے مملو ہیں صُحُفِ سابقہ تمہارے ذکر خیر سے گونج رہے ہیں ؎

ندانم آں گلِ رعنا چہ رنگ و بو دارد　　کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

مگر جب تک قُم فانذِر کا پیغام نہیں آتا کوئی دعویٰ آپ کی زبان سے نہیں نکلتا جب امر ربانی آجاتا ہے تو اب سارے جہاں سے نڈر ہو کر دنیا کو توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ عرب گو آپ کے امینِ صادق ہونے کا یقین رکھتا ہے اس کو صدق کا تجربہ بھی ہے مگر چونکہ اس نئی آواز سے آشنا نہیں اس لئے کچھ دانستہ کچھ نادانستہ برسرِ پیکار آجاتا ہے خدا کا رسول سمجھاتا ہے۔

قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا	آپ کہدیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس کو تمہارے
ادراکم بہ فقد لبثت فیکم	سامنے نہ پڑھتا اور نہ تم کو خدا اس کی خبر کرتا۔ کیونکہ میں
عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔	اس سے پہلے تم میں ایک مدت تک رہ چکا ہوں پھر
(یونس آیت ۱۶)	کیا تم نہیں سوچتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہرقل اس نکتہ کو سمجھ چکا تھا چنانچہ ابوسفیان کے جواب میں اس نے کہا تھا۔

فقد اعرف انہ لم یکن لیدع | میں تحقیق سے جانتا ہوں کہ اس نے کبھی لوگوں پر
الکذب علی الناس ثم یذھب | جھوٹ نہیں باندھا پھر وہ کس طرح خدا پر جھوٹ
فیکذب علی اللہ۔ | باندھ سکتا ہے۔

اسی کی مزید تشریح سورۂ عنکبوت کی ۴۸ آیت میں ہے۔

وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب | اس سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب | نہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست
المبطلون۔ | لوگ شک کر سکتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی خدا کی وحی اطمینان دلا رہی ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا | محمد نفس کی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ تو اللہ کی
وحی یوحی۔ | بھیجی ہوئی وحی ہے۔

دشمنوں سے مقابلہ ہے معترضین و معاندین کی بھیڑ سامنے ہے اس لئے اپنے رسول کی صداقت اور اپنی کتاب کی حقانیت کا ایک اور طریقہ پر اس طرح اظہار و اعلان کیا جا رہا ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا | اور اگر یہ ہم پر بعض باتوں کا افترا کرتے تو ہم ان کا داہنا
منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ | ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی گردن کاٹ ڈالتے۔

فصحاء و بلغاء کو چیلنج ہے کاہنین و شعراء کو للکارا جا رہا ہے مگر سب اپنی اپنی جگہ انگشت بدنداں ہیں اور متحیر اپنے اپنے کلام سے ملا ملا کر دیکھ رہے ہیں نہ وہ کسی شاعر کی بحر پر اترتا ہے نہ کسی ناثر کی نثر سے مشابہ ہے نہ کسی کاہن کے زمزمہ سے متوازن کون دیوانہ ہے جو یہ کہدے کہ یہ کلام تو خود ان ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔

مگر تعصب کا برا ہو کہ اس پر بھی متعصبین کا قلم نہیں رکا اور آخر کار ایک عیسائی وان ہیمر ساری دنیا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے لکھ مارتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا۔

ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن شریف کو بعینہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلے
ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ ؎

یہ تھی وہ ضرورت جس کے لئے ہمیں قرآنِ کریم کے ان مراحل پر بھی کچھ مجبوراً روشنی ڈالنی پڑی ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب متعصب دنیا اپنی کتب کی حفاظت ثابت کرنے سے عاجز آچکی تو اس کے سامنے دوسرا راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی حفاظت پر ضرب لگائے اور اس طرح اس حقیقت ثابتہ کا انکار کردے جی ہاں خیالات واوہام کی تبع دنیا کے لئے اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا؟

بہرحال وان ہمیر کے قول سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم کے متعلق اسے اگر کوئی شبہ ہے تو خدا تعالیٰ کے کلام ہونے میں ہے مگر آئندہ حفاظت میں کوئی شبہ نہیں ہے اب اگر ہم یہ ثابت کردیں کہ درحقیقت یہ خدا تعالیٰ ہی کا کلام تھا تو اسے یہ ماننا ضروری ہوگا کہ پھر وہی محفوظ بھی رہا کیونکہ جو کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا اس کے محفوظ ہونے میں تو اسے کوئی کلام نہیں ہے کاش کہ اس کے ہم مشرب ہمارے پہلے بیان پر ذرا غور کرتے تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا کہ یہ قرآن کریم یقیناً خدائے تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور بلاشبہ منزلِ کتاب سے لیکر منزل علیہ تک یکساں محفوظ ہے۔ اب اگر کسی کو اس میں کوئی شک ہو تو اس کو چاہیے کہ پہلے اتنی ہی صفائی سارے جہان میں کسی دوسری کتاب کے متعلق پیش تو کردے۔

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا · یا لاکے دکھا دے کمر ایسی دہن ایسا

یہ تو وان ہمیر کی عقل تھی اب بعض جہلا رعرب کو ذرا دیکھئے ان کی نظر میں یہ اعتراض تو اس لئے سخیف و کمزور تھا کہ جس انسان کے متعلق یہ تہمت لگائی جائے کہ یہ کلام خود اس کا مخترع ہے وہ عرب کے سامنے ہے اس کے لب ولہجہ سے ملک آشنا ہوچکا ہے۔ شب و روز کی نشست و برخاست نے اس کا طرز کلام

؎ دیکھو دیباچہ لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی پر مخفی نہیں رکھا اس لئے اس قطعاً نرالے انداز والے کلام کو اس کی طرف منسوب کرنا کھلا ظلم ہے۔

وان ہمیر کے سامنے نہ وہ ماحول ہے نہ وہ شخصیت اس لئے ۱۳۰۰ سال بعد خیالی دنیا میں جو چاہے کہدے مگر عرب کے نزدیک یہ بالکل نامعقول بات تھی کہ جس شخص کے چہل سالہ طرزِ کلام سے وہ آشنا ہو چکے ہوں وہی جب دعویٰ نبوت کے بعد اسی حلقوم اور اسی زبان سے ان کو ایک ایسا کلام سناتا ہے جو کہ اس کے پہلے کلام سے قطعاً نہیں ملتا اور یہی نہیں بلکہ آئندہ بھی اس کی روزمرہ بول چال اور وحی کے کلمات میں یہی تفاوت چلا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وحی نازل ہوتے ہوتے ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے پھر بھی از روز اول تا آخر نہ اس کی اس جدت میں کہیں فرق نظر آتا ہے نہ کوئی فقرہ اس کی روزمرہ کی گفتگو سے ملتا ہے بلکہ یوں نظر آتا ہے کہ گویا دو متکلموں کے دو کلام ہیں جو باہمی کسی جز میں مشابہ نہیں۔ محال اور بالکل محال تھا کہ عرب ایسے ممتاز کلام کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی ہمت کر لیتے۔ یہ تو وان ہمیر ہی کا انصاف اور اسی کی مقدار علم تھی۔ اس لئے انھوں نے اس راستہ کو چھوڑ کر اعتراض کا ایک دوسرا ڈھنگ نکالا

وقال الذین کفروا ان ھٰذا الا افک	اور کافر کہنے لگے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر یہ ایک طوفان
ن افتراہ واعانہ علیہ قوم اخرون فقد	باندھ لایا ہے اور اس میں دوسرے لوگوں نے اس کا ساتھ
جاؤ ظلما وزورا و قالوا اساطیر	دیا ہے پس یہ لوگ اتر آئے بے انصافی اور جھوٹ پر، اور کہنے
الاولین اکتتبھا فھی تملیٰ علیہ بکرۃ	لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے، سو
واصیلا (پ فرقان)	وہ ہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام۔
ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ	اور ہم تحقیق سے جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو
بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی و	تو ایک بشر پڑھاتا ہے (حالانکہ جس شخص کی طرف یہ منسوب
ھٰذا لسان عربی مبین (نحل ۱۴)	کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن عربی مبین ہے

مضمون بالا سے واضح ہے کہ عرب کے جہلاء اور یورپ کے مصنفین اس نقطہ میں مشترک ہیں کہ یہ کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا تعالیٰ کا کلام ہی نہیں ہے ان ہر دو معترضین کے برخلاف قرآن کریم نے خود اپنی زبان سے جو صفائی پیش کی ہے اسے ہم پہلے لکھ چکے ہیں اب ایک دوسرے فرقہ کا حال سنئے جو مدعی اسلام ہو کر یہ کہتا ہے کہ نازل شدہ قرآن گو خدا تعالیٰ کا کلام تھا مگر جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ وہ کلام نہیں ہے بلکہ اس میں بہت کچھ زیادت و نقصان واقع ہو گیا ہے۔

اس قوم کی سفاہت کا حال ان ہر دو جماعتوں سے بدتر نظر آتا ہے بھلا جس کو یہ بھی احساس نہیں کہ اگر قرآن کریم کو رسول عربی فداہ ابی و امی کی وفات کے بعد ہی فوراً محرف کہا جائے تو پھر اس کو تورات و انجیل پر کیا فضیلت رہ جاتی ہے اور کس منہ سے دینِ اسلام ابدی دین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ تورات و انجیل کی گم شدگی اس قدر دردانگیز نہیں تھی کہ ان کے بعد رسولوں کی آمد کا دروازہ ابھی مفتوح تھا امید باقی تھی کہ کوئی دوسرا رسول آکر راہِ حقیقت بتا دیگا اس قرآن پر کون نوحہ پڑھیگا جو اپنے وجود سے قبل ہی محرف ہو جائے اس پر مصیبت یہ کہ بعد میں کسی دوسرے رسول کی آمد کی امید بھی نہیں۔ اب مسلمانوں کو کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ یا کسی مذہب کو اپنے دین کی طرف دعوت دیں اور آخر کس امر کی دعوت دیں؟ جبکہ بزعمِ خود ان کے پاس کوئی سماوی ہدایت نہ ہو اس سے تو وہ اقوام بہتر اور بدرجہا بہتر ہیں جن کی کُتُبِ سماویہ گو محفوظ نہیں رہ سکیں مگر ابھی تک وہ حفاظت کا راگ گائے تو جا رہے ہیں۔ رہا یہ خیال کہ کسی آئندہ قریب یا بعید زمانہ میں اس حقیقی قرآن کا ظہور ہوگا یہ خود ایک مستقل جنون ہے جس کی دوا کچھ نہیں جو قرآن اپنے دورِ اول میں گم ہو چکا ہے بعد میں اس کے حصول کی توقع ایک مضحکہ خیز تخیل ہے آخر بتلایا جائے کہ اسوقت وہ قرآن موجود ہے یا نہیں اگر ہے تو ہمارے کس مرض کی دوا ہے ۱۳۰۰ سال تک وہ ہدایت کہاں گئی جو مخلوقِ خدا کے لئے نازل ہوئی تھی اور اس کی بھی کیا ضمانت کی جا سکتی ہے کہ پھر آئندہ زمانہ میں وہ ہدایت حاصل ہو سکیگی نبی آ نہیں سکتا قرآن اس کا کوئی وعدہ نہیں کرتا اور اگر وعدہ کرے تو اس قرآن کا اعتبار کیا جس پر خود تحریف کا الزام لگایا جا چکا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اس رسولِ مقدس کے حوارین خود اس کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حفاظت نہیں کرسکے تو پھر کسی کا منہ نہیں ہے کہ وہ اس کی حفاظت کا دعوی کرکے دنیا سے سندِ تصدیق حاصل کرے اور اگر درحقیقت ان حواریین نے دیدہ دانستہ اس کلام کو ضائع کیا تو پھر بتلایا جائے کہ اب اعتماد و بھروسہ کس پر رہ جاتا ہے۔ اس نادان قوم نے درحقیقت مذہبِ اسلام کو جملہ قبائح میں مو بمو مسیحیت کے برابر کردینا چاہا ہے۔ ان کی کتاب اگر مُحرّف ہوئی تو انھوں نے اپنی کتاب کے مُحرّف ہونے کا خود دعوی کیا۔ عیسی علیہ السلام کے حواریین اگر ناقابلِ اعتماد ٹھہرے تو انھوں نے اس سے زیادہ ناقابلِ اعتماد اصحابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا جب مذہب کی بنیاد اصل سے ہی کھوکھلی ہوجائے تو بعد میں خیالی پُلاؤ پر دنیا کو دعوت اسلام دینا کیا وقعت رکھتا ہے۔ درحقیقت ایسے مذہب کو مذہب کہنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اقوام اپنی کتاب کے سہارے حیوٰۃ حاصل کرتی ہیں اور جس قوم کی باقرارِ خود کتاب مردہ ہو۔ وہ درحقیقت خود مردہ ہے اور مذہبی دنیا میں اُسے جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس لئے ازبس ضروری ہے کہ جو صفائی اس الزام کے برخلاف قرآنِ کریم سے پیش کی جاسکتی ہے وہ بھی آپ کے سامنے پیش کردی جائے، سنئے قرآنِ کریم کہتا ہے کہ

اِنّا نحنُ نزّلنا الذِّکر وانّا لہ لحافظون۔ — ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم اصل مضمون کی تشریح کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند تحقیق طلب امور کی ذرا توضیح کردی جائے تاکہ جو شبہات بعض لوگوں کو اس جگہ پیدا ہوگئے ہیں وہ بھی دور ہوجائیں۔ اولاً یہ کہ لفظِ ذکر سے یہاں کیا مراد ہے؟

واضح رہے کہ گو لفظِ ذکر قرآنِ کریم میں مختلف معانی میں مستعمل ہوا ہے مگر بہت سی آیات میں ذکر سے خود قرآن شریف بھی مراد ہے مثلاً آیاتِ ذیل میں۔

(۱) ان ھو الا ذِکرٌ للعٰلمین (یوسف) — قرآن مجید اہلِ عالم کے لئے ذکر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) وھذا ذکر مبارک انزلناہ (انبیاء)		یہ ذکر مبارک ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔

ان آیات کے علاوہ سورہ حجر ع ۱ پ ۱۴، نحل ع ۶ پ ۱۴، ص ع ۱ و ع ۵ پ ۲۳، یس ع ۵ پ ۲۲، حم سجدہ ع ۵ پ ۲۴، زخرف ع ۴ پ ۲۵ اور قلم ع ۲ پ ۲۹۔ ان سب مقامات پر بھی لفظِ ذکر سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ قرآن شریف کو ذکر سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں جب کسی مقام پر مبالغہ منظور ہوتا ہے تو حمل مشتق کے بجائے مبدء کا حمل کر دیا جاتا ہے مثلاً اگر زید کا انصاف پسند ہونا بطریق مبالغہ بیان کرنا منظور ہے تو بجائے اس کے کہ "زید منصف ہے" کہیں "زید عین انصاف ہے" کہا جائیگا اگرچہ مراد اس سے بھی یہی ہوتی ہے کہ زید منصف ہے مگر اس تعبیر ثانی میں مبالغہ زیادہ سمجھا گیا ہے اسی طرح قرآنِ کریم کو عین ذکر کہنے کا یہ مطلب سمجھئے کہ مضمون ذکر قرآنِ کریم میں اس قدر کامل اور عیاں ہے کہ اگر اس کو عین ذکر کہدیا جائے تو بجا ہے۔ حتیٰ کہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے کہ ہم نے کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی جو خدا تعالیٰ کی اس قدر یاد دلاتی ہو جس قدر کہ قرآن کریم، بلاشبہ اس نے سچ کہا اگر آپ قرآنِ کریم کی ورق گردانی کریں تو بلا مبالغہ آپ کو ایک صفحہ بھی ایسا نہ ملے گا جس میں کئی کئی بار خدا تعالیٰ کا نامِ مبارک آنہ گیا ہو اس لئے کہا جا سکتا ہے اور حق کہا جا سکتا ہے کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جو ذکر کے ساتھ موسوم ہونے کے لئے سب سے احق ہے۔

اگر آپ سورہ ص کی ابتدائی آیات پر غور کریں گے تو مضمونِ بالا خوب واضح ہو جائیگا شروع میں فرماتے ہیں کہ ص والقرآن ذی الذکر اس قرآن کی شہادت کہ جو ذکر والا ہے۔ یہاں قرآن کو ذی الذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء کے شروع میں		لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم فرمایا ہے عین ذکر نہیں کہا گیا، پھر اسی سورۂ ص میں دو چار آیات کے بعد ارشاد ہوتا ہے أأنزل علیہ الذکر من بیننا یہاں جس کو شروع میں ذی الذکر کہا گیا تھا اسی کو بعد میں عین ذکر کہا جا رہا ہے۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ ذی الذکر اور ذکر دونوں سے مراد وہی قرآن کریم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب زیر بحث آیتہ میں آیئے اور اس کے سیاق و سباق کو ملاحظہ فرمایئے آیتہ مذکورہ سورۂ حجر کی نویں آیت ہے اس سورہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے الٓر تلک ایاتُ الکتاب و قرآن مبین اس کے بعد آیتہ ہے وقالوا یا ایھا الذی نُزِّلَ علیہ الذِکرُ اِنّکَ لمجنون اس میں کفار کی اس شقاوت و تمرد کا بیان ہے جو انھوں نے رسولِ کریم اور قرآن کریم ہر دو کے مقابلہ میں برتی

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاکم بدہن مجنون ٹھہرایا۔

(۲) قرآن کریم کو استہزا ذکر کہا ورنہ ان کے خیال فاسد میں قرآن ذکر کب تھا اور نہ یہ مان کر وہ مجنوں کہہ سکتے تھے۔

(۳) نبی کریم چونکہ قرآن کریم کے مُنزّل من اللہ ہونے کے مدعی تھے اس لئے نُزِّل علیہ الذکر سے خطاب میں ایک اور استہزا کیا۔

(۴) نزل فعل مجہول لا کر اس کا انکار کیا کہ قرآن منزل من اللہ ہو

ساتویں اور آٹھویں آیت میں ان کے استہزا کی مزید تفصیل ہے اور نویں آیت سے جواب شروع ہو جاتا ہے۔

اِنّا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

آیت مذکورہ میں سب سے پہلے قرآن شریف کے منزل من اللہ ہونے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی ناپاک زبان سے انک لمجنون کا ناپاک کلمہ ادا کیا تھا ان کے فہم سے یہ بات بالاتر تھی کہ کلام الٰہی کسی بشر پر اتر سکے حشر و نشر حل و حرمت اور عذاب و ثواب کے فلسفہ سے وہ یکسر نابلد تھے اگر اسے جنون نہ سمجھتے تو کیا کرتے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اس لئے اسی مضمون کو اِنَّ اور ضمیر فصل نحن اور تکرار اسناد کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے اور ان بدبختوں نے نُزِّلَ فعل مجہول لا کر جو توہین کی تھی اُسے اِنّا اور نحن سے یکسر ٹھکرا دیا گیا ہے یعنی یہ کہ بیشک وہ نازل کرنے والے ہم ہی ہیں اور لفظ الذکر جس کو انھوں نے بزعم خود استہزا استعمال کیا تھا دوبارہ بطریق جد اس کو استعمال فرمایا ہے یعنی ہاں یہ ذکر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے تم حماقت سے ذکر نہیں سمجھتے اور مذاق اڑاتے ہو ۔ ؎۵۱

امام بغویؒ زیر تفسیر یا ایہا الذی نُزِّلَ علیہ الذکر قمطراز ہیں کہ اس قول کے قائل کفارِ مکہ اور مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ذکر سے یہاں مراد قرآن کریم ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سوائے قرآنِ کریم کے اور کوئی کتاب نہیں تھی اس لئے بلاشبہ کفار مکہ کے قول میں ذکر سے مرادِ قرآن ہی ہو سکتا ہے اور بس۔ لہذا جب یہی لفظ نویں آیت یعنی انّا نحنُ نزّلنا الذکر میں استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مراد بھی وہی ہوگا جو چھٹی آیت میں مراد ہو چکا ہے تاکہ سوال وجواب منطبق ہو جائے ورنہ سوال از آسمان اور جواب از ریسماں کا مصداق ہوگا۔

ماسوا اس کے جملہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جگہ ذکر سے مراد قرآن کریم ہے اور یہی قول سلف سے برابر منقول ہوتا چلا آیا ہے جس کے بعد ہمیں کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں رہتی، لہذا اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آیت کے جزر ثانی یعنی وانا لہ لحافظون میں کس کی حفاظت مراد ہے اور حفاظت سے کس حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایک مرجوح قول یہ ہے کہ لہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہاں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شہادت میں قرآنِ کریم سے اسی مضمون کی ایک دوسری آیت سورۂ مائدہ کی پیش کی گئی ہے وَاللّٰہُ یعصِمُکَ مِنَ النّاس ۔ ؎۵۲

؎۵۱۔ یہاں قرآن کریم کو ذکر سے تعبیر کرنے کا یہ دوسرا نکتہ اور پیدا ہو گیا مگر یہ نکتہ اس نکتہ کے برعکس ہے جو ان نحنُ الّا بشرٌ مثلکم میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہاں کفار نے ان انتم الا بشرٌ مثلنا بطریق تھکم نہیں بلکہ بطریقِ حقیقت کہا تھا اس لئے ان نحن الا بشر مثلکم میں مجاراۃ مع الخصم تھی مگر یہاں قرآن کو ذکر کہنا بطریق تھکم واستہزاء تھا، اس استہزاء کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کو حقیقۃً ذکر کہا جائے یعنی بیشک قرآن کریم ذکر ہے خواہ تم اسے ذکر سمجھو یا نہ سمجھو۔

؎۵۲ عربی خواں حضرات غور کریں کہ ذکر سے قرآن کریم مراد ہوتے ہوئے کیا انا لہ لحافظون میں لہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونا متبادر ہو سکتا ہے اور کیا واللہ یعصمک من الناس اور واللہ یحفظک من الناس کا ایک مطلب ہے اگر ایک ہی مطلب ہے تو لفظ یعصمک کو یحفظک پر کیا فضیلت ہے کہ ثانی کو ترک کرکے اول اختیار کیا گیا ہے حالانکہ اسی مراد میں سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے وانا لہ لحافظون کہا تھا اور عصمۃ کا لفظ زبان پر نہ لائے

(باقی صفحہ ۱۷۴ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت مذکورہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ لہ کا مرجع قرآنِ کریم ہے اور وعدۂ حفاظت سے مراد قرآنِ کریم ہی کی حفاظت کا وعدہ ہے یہی قول راجح اور منصور مانا گیا ہے اس کی تائید میں سورۂ حٰم سجدہ کی بیالیسویں آیت پیش کی گئی ہے لا یاتیہ الباطلُ مِن بین یدیہ ولا مِن خلفہ الآیہ یعنی باطل نہ قرآن کے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ باطل سے مراد زیادت و نقصان ہے لہٰذا اب اس آیت کا حاصل بھی وہی ٹھہرتا ہے جو کہ وانا لہ لحافظون کا حاصل تھا۔ احقر کے نزدیک بھی یہی تفسیر راجح ہے تفصیل یہ ہے کہ سورۂ حجر کی آیۃ انا نحن نزلنا الآیہ دو مضمونوں پر مشتمل ہے۔

(۱) قرآن کریم منزل من اللہ ہے اور (۲) بحفاظتِ الٰہیہ محفوظ ہے۔

معلوم نہیں کہ ان دونوں مضمونوں میں کیا ربط[۵۱] ہے کہ جب اسی مضمون کو بالفاظِ دیگر سورۂ حٰم سجدہ میں بیان فرمایا گیا ہے تو وہاں بھی ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے چنانچہ لا یاتیہ الباطل میں حفاظتِ الٰہیہ کا بیان ہے اور[۵۲] تنزیل من حکیم حمید میں قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق ہے فرق ہے تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) اس بارے میں جو کچھ احقر کا خیال ہے اس کی تفصیل کی جرأت نہ ہوئی البتہ اتنا اشارہ کرتا ہوں کہ عصمۃ بظاہر حفاظت کے مغائر ہے اسی لئے سورۂ ہود میں ساٰوِی الیٰ جبلٍ یعصمنی مِن الماء کے جواب میں لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم فرمایا گیا ہے اور اسی لئے برادرانِ یوسف علیہ السلام عصمۃ کا وعدہ کر ہی نہیں سکتے تھے البتہ صرف نگرانی کی ذمہ داری لے سکتے تھے لہٰذا میرے خیالِ ناقص میں دونوں آیت کے مفاد میں تھوڑا سا فرق ہے غالباً اسی قسم کے وجوہات سے مفسرین نے اس کو قول مرجوح قرار دیا ہے۔

(حاشیہ ۵۱ صفحہ ھذا) شاید وہ ارتباط یہ ہو کہ جو کتاب اس طرح خارق عادت کے طور پر محفوظ رہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس میں زیادت و نقصان پیدا نہ کر سکے وہ یقیناً خود اس کی دلیل ہوگی کہ وہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے گویا حفاظتِ تامہ منزل من اللہ ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے۔ بلا شبہ آبادیٔ عالم کو چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ وہ حیطۂ ارض پر کوئی کتاب اس قدر محفوظ دکھلادے جس میں خدائی کتاب ہونے کے دعوٰی کے باوجود کسی تحریف و تبدیل کو راہ نہ ملی ہو۔

۵۲ علما اس پر غور کریں کہ مندرجہ ذیل آیات میں ایک ہی مضمون ہے اور اسلوب بیان بھی تقریباً ایک ہی ہے مگر اسی ایک ہی مضمون میں پھر صفاتِ الٰہیہ مختلف کیوں ذکر فرمائی گئی ہیں۔

(۱) الٓمٓ تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العٰلمین (سورۂ سجدہ) (۲) تنزیل من رب العٰلمین (الواقعہ) (باقی صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اس قدر کہ یہاں ترتیب سورۂ حجر کی ترتیب کے خلاف ہے وہاں قرآن کا منزل من اللہ ہونا مقدم تھا اور یہاں موخر ہے جس کا نکتہ بھی واضح ہے۔ عجیب بات ہے کہ قرآن شریف نے اپنے نزول کے متعلق کہیں انزلنا (یعنی دفعۃً نزول) اور کہیں نزلنا (یعنی تدریجی نزول) بیان فرمایا ہے مگر ان ہر دو آیات میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر سورہ حجر میں نزلنا ارشاد فرمایا گیا تو اسی صفت تنزیل کو سورۂ حٰم سجدہ میں تنزیل من حکیم حمید سے ظاہر کیا گیا ہے گویا اتنا تفاوت بھی نہیں کیا گیا کہ ایک جگہ انزلنا اور دوسری جگہ نزلنا ہوتا اس سے اور زیادہ تبادر ہوتا ہے کہ ان ہی دو آیتوں کو ایک دوسرے کی تفسیر بنانا اولیٰ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو وعدہ اس جگہ فرمایا گیا ہے درحقیقت وہ قرآن کریم ہی کی حفاظت کا وعدہ ہے بالخصوص جبکہ آیت کے پہلے جزو میں اسی کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ مذکور ہے گویا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل تو کیا ہی ہے مگر اس کی نگرانی بھی ہم ہی کریں گے اور توریت و انجیل کی طرح اس کو ضائع ہونے نہیں دیں گے۔ ؎ا

مفسرین نے جو قول مرجوح اس جگہ نقل کیا ہے اگر اسے بھی لحاظ میں رکھئے تو بھی ہمیں کچھ مضر نہیں بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس رسول کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا تھا اگر قدرت نے اس کی عصمت کا

(حاشیہ صفحہ ۱۵) (۳) تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم (غافر) (۴) تنزیل من الرحمٰن الرحیم (فصلت) (۵) تنزیل من حکیم حمید (فصلت) (۶) حٰمٓ تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم (جاثیہ) (۷) (احقاف)

حاشیہ صفحہ ھٰذا۔ ؎ا معلوم رہے کہ تورات و انجیل خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس کی کتابیں ہیں جو اس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجیں اب جن کو وہ کتابیں دی گئیں یہ ان کی لیاقت تھی کہ وہ انہیں محفوظ رکھتے مگر قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام اس کی ایک صفت ہے اس میں زیادۃ و نقصان قابل برداشت نہیں ہے بلکہ ناممکن اور محال ہے اس لئے کیسے ممکن تھا کہ اس کی حفاظت مخلوق کے ضعیف کندھوں پر ڈالدی جاتی اس لئے تاکید کیساتھ فرمادیا کہ وانا لہ لحافظون یہ مسئلہ کہ کلام خدائیتعالیٰ کی صفت ہے اور پھر قرآن کریم کا اس سے کیا ربط ہے علم کلام کا دقیق ترین مسئلہ ہے جس میں ہم اسوقت قارئین کو الجھانا نہیں چاہتے خود علما کے قدم اس جگہ لرز رہے ہیں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ کلام اللہ اور کتاب اللہ کا فرق حضرت حجۃ اللہ فی الارض محقق امت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی کسی تصنیف میں نہایت خوبی سے لکھا ہے قابل مراجعت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود تکفل فرماکر واللہ یعصمک من الناس کا اعلان کر دیا تو اسی طرح جس کتاب کو خاتم الکتب بنایا تھا اُسکی حفاظت کا خود ہی ذمہ لیکر وانا لہ لحافظون کا اعلان کر دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ خاتم الانبیاء کو دشمن کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں نہ اس کی کتاب خاتم الکتب میں زیادت ونقصان پیدا کر سکتے ہیں یہاں سے خاتم الانبیا اور خاتم الکتب میں ایک خاص نوع کا ارتباط ظاہر ہوتا ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ اس جگہ حفاظت سے مراد لوحِ محفوظ میں حفاظت ہے یا علم الٰہی میں ایک بے معنی سوال ہے جو محض تعصب کی راہ سے اس جگہ پیدا کیا گیا ہے۔ لوح محفوظ یا علمِ الٰہی کی حفاظت نہ اس جگہ زیر بحث ہے نہ کفار سے اس سلسلہ میں یہاں کوئی اعتراض منقول ہے۔ البتہ قرآنِ کریم نے لوحِ الٰہی میں اپنا محفوظ ہونا از خود ایک اور جگہ ذکر کیا ہے جس کے متعلق ہم پہلے بالتفصیل لکھ چکے ہیں اگر یہاں بھی قرآنِ کریم کے الفاظ پر ذرا غور کیا جائے تو اس کا فیصلہ خود قرآنِ کریم ہی کے الفاظ میں ہو جاتا ہے کیونکہ آیت میں پہلے نزولِ قرآن کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کے بعد اس کی حفاظت کا وعدہ مذکور ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہی وعدہ مراد ہو سکتا ہے جو نزول کے بعد ہے نہ کہ لوحِ محفوظ کا جس کا یہاں ذکر تک نہیں یا علمِ الٰہی کا جس میں تورات و انجیل سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

حفاظت سے مراد

اسی طرح لفظِ حفاظت ایک ظاہر لفظ ہے جس میں بلاوجہ تشویش پیدا کرنا محض ایک لغو حرکت ہے، کون نہیں جانتا کہ کسی کلام کے محفوظ ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ زیادت ونقصان سے پاک ہے نہ اس کا کوئی حصہ متروک ہے نہ کوئی اجنبی کلام اس میں شامل ہے یہی مطلب سلف نے لکھا ہے اور اسی کو جملہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام قرطبی متوفی (۶۷۱) ابوبکر انباری سے ناقل ہیں کہ جو شخص قرآنِ کریم میں زیادت ونقصان کا قائل ہو وہ کافر ہے کیونکہ آیت انا نحن نزلنا الذکر الایہ اس بات کے لئے کھلی شہادت ہے کہ قرآنِ کریم زیادت ونقصان سے محفوظ ہے لہذا جو شخص تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھے وہ بلا شبہ اس آیت کا منکر اور کافر ہوگا۔ (ص۲۳ مقدمہ تفسیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کہتا ہوں کہ حفظ کا لفظ جس آیت میں بھی قرآن کریم کے متعلق مستعمل ہوا ہے اس کا مطلب مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ وہ زیادت و نقصان سے محفوظ ہے چنانچہ بل ھُوَ قرآنٌ مجید فی لوحٍ محفوظ میں لفظ محفوظ کی تفسیر ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں، اور ایک لفظ حفظ پر کیا منحصر ہے بلکہ جب کہیں اس مضمون کے ہم معنی کوئی آیت کہیں آئی ہے اس کی تفسیر بھی مفسرین نے یہی کی ہے جیسا کہ آیت لا یاتیہ الباطل الآیہ میں راجح قول کے مطابق باطل سے مراد یہی زیادت و نقصان ہے۔ امام قرطبی نے حفاظتِ قرآن پر استدلال کے لئے ایک اور جدید پیرایہ اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قول ایزدی قُل لئن اجتمعتِ الانسُ والجن علیٰ اَن یاتوا بمثلِ ھذا القرآنِ لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیرا الآیہ دلالت کرتا ہے کہ قرآنِ کریم مقدورِ بشری سے خارج ہے اور جب اس میں زیادت و نقصان ممکن ہوا تو مقدورِ بشری ٹھہرا پھر معجز کہاں رہا لہذا جو شخص قرآن میں تحریف کا قائل ہوگا وہ درحقیقت اس کے معجز ہونے کا منکر ہے۔ (ص۲۰)

پھر فرماتے ہیں (ص۲۱) کہ آیت الٓر کتاب احکمت آیاتہ میں آیاتِ قرآنیہ کے محکم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسانی دسترس سے بالاتر ہیں نہ کوئی کمی بیشی اس میں ہوسکتی ہے نہ اس کا مثل بنایا جاسکتا ہے لہذا عقیدۂ تحریف میں اس آیت کا بھی انکار پایا جاتا ہے۔ الغرض آیاتِ بالا ہرگز شہادت نہیں دیتیں کہ قرآنِ کریم کسی ادنیٰ ترمیم کا بھی تحمل کرسکتا ہے۔

دنیا میں واقعہ کی شہادت ایک زبردست شہادت سمجھی جاتی ہے لہذا اگر یہ ثابت ہوجائے، کہ درحقیقت قرآنِ کریم میں آج تک کوئی ترمیم نہیں ہوئی اور یقیناً نہیں ہوئی تو پھر یہ اس کی حفاظت کی ایک مستقل دلیل ہوگی۔ وان ہمیر عیسائی کی شہادت ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور اس وقت چند اور شہادتیں پیش کرتے ہیں، سر ولیم کہتا ہے۔

جہاں تک ہمارے معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس کی طرح (قرآن کی طرح) بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔ (دیباچہ لائف آف محمدؐ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی جزکوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا کہ جس کو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو نہ کوئی لفظ

یا فقرہ ایسا پایا جاتا ہے جو اس مسلم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو ؎۱

جس حفاظت سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ؎۲

کیا تاسف کا مقام نہیں ہے کہ ایک منصف دشمن قرآن کریم کی حفاظت کے اقرار پر مجبور ہو جاتا ہے مگر ایک نامنصف مدعی مودت ایک کھلی حقیقت کے اعتراف سے ہنوز منحرف نظر آتا ہے اس لئے نہیں کہ قرآن پاک اس کی نظر میں درحقیقت محرّف ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے مذہبی مزعومات کے لئے قرآن کی موجودگی میں کوئی سہارا نہیں ہے اس لئے اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ پہلے وہ قرآن کریم ہی کی تحریف کا دعویٰ کرے اس کے بعد اپنے مخترع معتقدات کی دنیا کو دعوت دے۔ ان مخالف شہادتوں کے بعد کیا عقل یہ مان لینے پر مجبور نہ ہوگی کہ وانا لہ لحافظون سے ضرور وہی حفاظت مراد ہے جس کی واقعات شہادت دے رہے ہیں گو یا لفظ کی تشریح واقعات سے خود ہی ہو رہی ہے پھر مفسرین کے برخلاف سلف کے برخلاف، سیاق و سباق کے برخلاف، قرآن کی دوسری آیات کے برخلاف اور آخر میں آنکھوں کے دیکھتے واقعات کے برخلاف کس کا منہ ہے کہ حفاظت کے کوئی ایسے معنی بیان کرے جس کے بعد حرف کی ترمیم۔ اعراب کی ترمیم، نقطہ کی ترمیم، جملوں کی ترمیم، سورتوں کی ترمیم، غرضکہ ہر نوع کی ترمیم و تحریف جائز رکھی جا سکتی ہو اور پھر بھی قرآن وہی محفوظ کا محفوظ رہے۔

اور اگر بالفرض محرّف ہو کر بھی کوئی کلام محفوظ کہلایا جا سکتا ہے تو پھر اس لفظ بے معنی کا اطلاق ہر کتاب سماوی بلکہ ہر کلام پر بے تکلف ہو سکتا ہے اس میں قرآن کریم کا کیا طرۂ امتیاز رہ جاتا ہے جس کو قرآن بہت بڑھ بڑھ کر کہہ رہا ہے کہ وانا لہ لحافظون۔ کاش یہ مدعی اسلام اس آیت کی تاویل کے بجائے اپنے عقیدۂ تحریف کے ماتحت سرے سے اس آیۃ میں بھی تحریف کے قائل ہو جاتے تو اس تاویل سے بہتر رہتا۔

؎۱ لائف آف محمدؐ۔ ؎۲ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس جگہ کسی کو یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ جب قرآنِ کریم بحفاظتِ الٰہیہ محفوظ ہے تو پھر ہمیں اس کی حفاظت کرنا عبث ہے۔

یہ سوال اس لئے غلط ہے کہ قرآنِ کریم کا محفوظ رہنا یہ تکوین ہے اور ہمارا فرضِ نگرانی یہ تشریع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بہر کیف قرآن کی حفاظت کے مامور رہیں گے لیکن اگر تکویناً اس کی حفاظت نہ ہوتی تو ہماری حفاظت نہ کرنے سے قرآن کا ضائع ہو جانا ممکن تھا مگر چونکہ قدرت یہ طے کر چکی ہے کہ وہ اس کی نگرانی کریگی لہذا ہم کو توفیق اسی کی میسر ہوگی کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اگر نہ کریں گے تو قدرت ہمیں چھوڑ کر کسی اور قوم کو اس فریضہ کے لئے انتخاب کرلیگی۔ اور اس کے ذریعہ سے یہ مہم سر ہوگی وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

اگر اس مستور تکوین کا کسی کو ان آنکھوں سے مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آئے اور ہمارے مکتبوں کا معائنہ کرے وہ دیکھے گا کہ ایک صغیر السن معصوم بچہ کا سینہ کس طرح تکوین نے اپنے قرآن کی حفاظت کا آلہ بنا لیا ہے بس قدرت کا ان اطفال کے سینوں کو اس ضخیم کتاب کی سمائی کے لئے وسیع کر دینا اور باوجود اول سے آخر تک متشابہات سے مملو ہونے کے پھر نہایت سہولت کے ساتھ اس کتاب کا اس کے سینہ میں جمع کر دینا یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ کام ہرگز اس بچہ کا نہیں ہو سکتا جس کو ابھی اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ وہ قرآن کی اہمیت بھی سمجھے یقیناً اس جگہ کوئی مستور طاقت ہے جس نے اس معصوم کو جلوہ نمائی کے لئے منتخب کر لیا ہے اسی کو میں نے ابتداءِ مضمون میں عرض کیا تھا کہ فطرۃِ صحیحہ مشیتِ الٰہیہ کا ایک صحیح آئینہ ہے جب کسی کو اس مشیت کا مطالعہ کرنا منظور ہو تو وہ اس آئینہ میں مشاہدہ کر سکتا ہے یہی مطلب ہے ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴) کی عبارت کا

وھذا لاینافی ان حفظ القرآن بحسب مبناہ ومعناہ فرض کفایۃ لان المعنی ان اللہ متکفل حفظ القرآن	اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اس کے الفاظ و معانی کے اعتبار سے فرض کفایہ ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کی حفاظت

© rasailojaraid.com

به وانه لم یکله فی من احفاته	کا تکفل کر لیا ہے اور اس نے اس معاملہ کو خود اُن لوگوں
الی انفسهم بل یکون دائما	کے سپرد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حاملین قرآن کا
فی عون حملتهم [1]	مددگار رہے گا۔

اسی کی طرف حافظ عمادالدین ابنِ کثیرؒ نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھو ص۱۲

اب تک جو کچھ قرآنِ کریم کی حفاظت کے متعلق لکھا جا چکا ہے اس کا تعلق زیادہ تر اہلِ اسلام سے تھا اگرچہ اس کا فائدہ غیر مسلم بھی اٹھا سکتے ہیں اور ایک صحیح بات سے ایک صحیح الفطرۃ انسان کو فائدہ اٹھانا بھی چاہیے۔ ہم نے اوراقِ گذشتہ میں صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ قرآن کریم جس مقام سے متحرک ہوا ہے وہ ایک محفوظ لوح تھی جس راہ سے گذرا ہے وہ ایک محفوظ راہ تھی جس ایلچی کی معرفت آیا ہے وہ ایک امین ایلچی تھا اور جس قلبِ مقدس پر آکر ٹھہرا ہے وہ لوح سے کہیں بڑھکر محفوظ تھا۔

حفاظت کے یہ مراحل کسی دوسری کتاب نے طے نہیں کئے اس لئے ان پر تنبیہ کئے بغیر کسی طرح ہم اپنے مضمون تک آ نہیں سکتے تھے اب آئندہ مضمون کا تعلق ایک لحاظ سے زیادہ تر غیر مسلمین سے ہے، یا ان مدعیانِ اسلام سے جو اس نقطہ میں غیر مسلمین کے ساتھ ہم آہنگ بلکہ ان سے بھی پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ غیر مسلم اقوام کے اعتراضات کا سارا ذخیرہ اسی "باغیرت" قوم کا رہینِ منت ہے جو کہ قرآن کو خدا تعالیٰ کی کتاب بھی کہتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کو توراۃ و انجیل سے زیادہ ترمیم شدہ بھی تصور کرتی ہے نہ موجودہ کتاب اللہ کو محفوظ کہنے کے لئے اس کے منہ میں زبان ہے اور نہ کسی دوسرے محفوظ قرآن کے پیش کرنے کے لئے اس کے ہاتھوں میں طاقت گویا نہ اپنا گھر بنانے کے لئے اس کے پاس سرمایہ ہے نہ دوسرے کے تعمیر شدہ مکان دیکھنے کا حوصلہ۔ اس لئے ضروری ہے کہ نازل شدہ قرآن کریم کی حفاظت کا مسئلہ تاریخی شہادت کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے لیکن اس امر کے لئے ضرورت ہے کہ جس طرح ہم نے اپنے اول مضمون

---

[1] شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۴ ص ۱۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں توراۃ وانجیل کے ماحول کا تجسس کیا تھا اسی غور کے ساتھ قرآن کریم کے ماحول کا مطالعہ کریں تاکہ تاریخی طور پر روشن ہوجائے کہ تورات اور قرآنِ کریم کے ماحول میں آخر وہ کیا تفاوت تھا جس کی بنا پر تورات کا محرّف ہونا اور قرآن کریم کا محفوظ رہنا ہی ایک لازمی نتیجہ تھا۔

یہ سچ ہے کہ قرآن رفتہ رفتہ ایک امی قوم کے سامنے اتارا گیا اور یقیناً تورات کی طرح الواح میں مکتوب یا بشکل مصحف محفوظ نہیں دیا گیا مگر خود قرآنِ کریم ہی کی شہادت سے یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ یہ تدریجی نزول درحقیقت اسی لئے تھا کہ اس کی حفاظت تورات کی حفاظت سے کہیں بڑھکر منظور تھی۔

واضح رہے کہ کسی کلام کی حفاظت کے دو ہی راستے ہوسکتے ہیں یا قیدِ کتابت یا حفظ صدر لہذا اب پہلے تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا قرآن کے نزول کے زمانہ میں عرب رسم کتابت سے واقف تھے؟ پھر یہ دیکھنا ہے کہ حفظِ صدر میں عرب اقوام دنیا میں کیا پایہ رکھتے تھے اس کے بعد یہ دکھانا ہے کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا معیار کیا رہا؟

علامہ ابن خلدون المتوفی (۸۰۸) مورخِ مشہور صنعۃ کتابت کی ابتدا کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقرب قول یہی ہے کہ اہل حجاز نے فنِ کتابت حیرہ سے حاصل کیا اہل حیرہ نے تبابعہ وحمیر سے اور حمیر ہی سے قبیلہ مضر نے عربی خط سیکھا ہے لیکن قبیلۂ حمیر بھی صنعتِ کتابت میں زیادہ ماہر نہیں تھا کیونکہ بادیہ نشین لوگ صنائع اور فنون سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے اور نہ ان کو صنائع کی زیادہ حاجت ہوتی ہے. قبیلہ مضر چونکہ بدویت میں قبیلۂ حمیر سے بھی چند قدم آگے تھا اس لئے خطِ عربی آغازِ اسلام تک متوسط درجہ میں بھی بہتر نہیں ہونے پایا تھا. یہی[1] وجہ ہے کہ جو خط صحابہ کرام نے مصحف کریم کی کتابت میں اختیار کیا ہے اس میں من حیث الفن

[1] بعض نادانوں نے جن کو صنعتِ کتابت کی تدریجی ترقیات کا علم نہیں ہے قدیم رسمِ کتابت اور جدید رسم کتابت کے اختلاف سے جو معانی کا اختلاف پیدا ہوسکتا ہے اس کو بھی تحریف کی ایک دلیل ٹھہرا دیا ہے لہذا ہم ذیل میں تمثیلاً ایک مختصر نقشہ پیش کرتے ہیں جس میں قدیم وجدید رسم کتابت کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کے معانی بدل جاتے ہیں اس کے بعد اس کے جواب کی توضیح کرینگے اس جگہ تفسیر نیشاپوری کا مقدمہ سابعہ ضرور مطالعہ فرمائیں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سا تفاوت نظر آتا ہے اس کے بعد پھر متاخرین نے تبرکاً اسی رسم کو محفوظ رکھا جیسا کہ ہمارے زمانے میں کسی عالم یا ولی کا خط تقلیداً محفوظ رکھا جاتا ہے خواہ وہ رسم کتابت کے لحاظ سے درست ہو یا نادرست اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) این ما۔ جدید رسم کتابت کے لحاظ سے این کے معنی کہاں اور ما کے معنی جو چیز

اینما۔ جدید رسم الخط کے اعتبار سے اس کے معنی جہاں کہیں ہیں۔

لیکن قرآن کریم میں اس کی پابندی نہیں کی گئی اور ایک کو دوسرے کی جگہ لکھ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے معنی کی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً سورۂ نساء کے گیارہویں رکوع میں این ما تکونوا یدرککم الموت میں این علیحدہ اور ما علیحدہ لکھا ہوا ہے حالانکہ اس معنی کے اعتبار سے اینما یکجا لکھا ہوا ہونا چاہئے تھا یا اس کے برعکس سورۂ شعراء کے پانچویں رکوع میں اینما کنتم تعبدون من دون اللہ یکجا لکھا ہوا ہے حالانکہ معنی مقصود کے لحاظ سے این ما کنتم تعبدون من دون اللہ ہونا چاہئے تھا

فمال هولاء۔ جدید رسم الخط کے لحاظ سے مال علیحدہ لفظ ہو گا اور ھولاء علیحدہ۔

فما لهولاء۔ موجودہ رسم کتابت کے اعتبار سے ما علیحدہ ہے اور لام جارہ ہے جو ھولاء کے سر پر داخل ہے۔

لیکن قرآنِ کریم میں سورۂ نساء کے گیارہویں رکوع میں فمال هولاء القوم لایکادون یفقھون حدیثاً ہی۔ دوسرے رسم الخط کے بجائے پہلا رسم الخط لکھا ہوا ہے جس کی وجہ سے معنی بدل جاتے ہیں۔

لا اذبحنہ۔ موجودہ رسم الخط کے لحاظ سے کلام منفی ہے۔

لأذبحنہ۔ کلام مثبت ہے۔

مگر قرآنِ کریم میں سورۂ نحل کے دوسرے رکوع میں پہلے رسم الخط کو دوسرے کے بجائے لکھ دیا گیا جس کی وجہ سے معنی بالکل بدل گئے اور مثبت کے بجائے منفی ہو گئے۔ لأعذبنہ عذابا شدیدا او لا اذبحنہ او لیاتینی بسلطان مبین۔ یہاں لاذبحنہ ہونا چاہئے تھا۔

منافقین۔ کے معنی معروف کتابت کے لحاظ سے وہ لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان اور بباطن منکر ہوں۔

منفقین۔ کے معنی خرچ کرنے والے ہیں۔

مگر قرآنِ کریم میں بکثرت پہلے کے بجائے دوسرا رسم الخط لکھا گیا ہے جس کی وجہ سے معنی میں عظیم الشان تفاوت پیدا ہو جاتا ہے مثلاً سورۂ نساء کے اکیسویں رکوع میں ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار لکھا ہوا ہے جس کا مطلب موجودہ رسم الخط کے لحاظ سے یہ ہوا کہ جو لوگ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہیں حالانکہ یہاں منافقین ہونا چاہئے تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں بھی بعد میں علما نے اسی رسم خط کی پابندی کی تاکید فرمائی ہے۔

یہ بات ہرگز قابلِ توجہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام فنِ کتابت میں ماہر تھے اور اس لئے فنِ کتابت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) لنسفعن۔ موجودہ عرف کتابت میں یہ مضارع با نون خفیفہ ہے۔

لنسفعاً۔ غلط ہے کیونکہ فعل پر تنوین نہیں آتی۔

مگر قرآن کریم میں سورۂ اقرا میں اسی غلط رسم الخط کو اختیار کیا گیا ہے الیٰ غیر ذلک من الخرافات اگر ان متعصبین کو یہ علم ہوتا کہ قرآن کریم جس وقت قیدِ کتابت میں آیا تھا اس وقت کا املا یہی تھا جواب موجود ہے تو ان اعتراضات کی نوبت نہ آتی اُن کو معلوم نہیں کہ جس طرح دنیا میں زبان ترقی کرتے کرتے آج کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اسی طرح صنعت کتابت بھی ترقی کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے مگر سلف کی کمال دیانت تھی کہ قرآن کریم کے معاملہ میں انھوں نے الفاظ کی حفاظت تو کی ہی تھی مگر اس وقت کے املا کی بھی پابندی کی ہے۔ بھلا وہ قوم اس رسم الخط کی حفاظت کی کیا قدر کریگی جس کا عقیدہ قرآنِ کریم کی لفظی حفاظت کا بھی نہ ہو۔

کشاف میں ہے "اس پر اتفاق ہے کہ مصحف میں خط کے لحاظ سے بعض اشیاء خلاف قیاس بھی واقع ہوئی ہیں مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب تلفظ اپنی جگہ محفوظ چلا آرہا ہے تو پھر تغیر کا احتمال کیا ہے۔ رہا اس رسم الخط کی پابندی تو یہ سلف کی ایک سنت ہے جس پر متاخرین بھی چلے ہیں۔ ابن درستویہ نحوی متوفی (۳۴۷) کتاب الکتاب میں لکھا ہے کہ دو خطوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے ایک خطِ مصحف اس لئے کہ وہ سنت ہے دوم خطِ عروض جس میں حروف ملفوظ کا اعتبار رہتا ہے اور غیر ملفوظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ (دیکھو کشف الظنون جلد اول وتفسیر نیسا پوری مقدمہ سابعہ ص۳۲)

اگر ایسے متعصبین کو خط عروض کی خبر نہ ہو تو اپنے خیال کے مطابق شاید وہاں بھی وہ غلطیاں نکالنے کے لئے آموجود ہوں گے۔ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں کہ جب امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ مصحف کو قدیم رسم الخط کے مطابق لکھیں یا جدید تو فرمایا کہ نہیں قدیم رسم الخط ہی کے موافق لکھو۔ (دیکھو اتقان ص۱۶۷ ج۲ وکتاب فضائل القرآن ص۲۳)

امام بیہقیؒ اور امام احمدؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

یہ وہی مالک ہیں جنھوں نے بنائے حجاجی کو اس لئے برقرار رکھنے کا امر فرمایا تھا کہ کہیں کعبۃ اللہ ملوک وسلاطین کیلئے ہدم وبنا کا ایک تماشہ نہ ہو جائے پھر جبکہ بنائے حجاجی کی حفاظت اس ایک ادنیٰ مصلحت کے لئے کی گئی تو بھلا مصحف عثمانی کے رسم الخط کی نگرانی ان کی نظر میں کس قدر مہم ہوگی متعصبین کو غور کرنا چاہئے کہ جس اُمّت نے رسم الخط کی ترمیم قرآنِ کریم میں گوارا نہیں کی وہ الفاظ کی ترمیم گوارا کرسکتی ہے؟ (باقی صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو مخالفت ان کے خطوط میں نظر آتی ہے وہ مخالفت نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے بھی کچھ اسرار و اسباب ہوں گے یہ محض خوش اعتقادیاں ہیں اور بس۔ کیونکہ فن کتابت میں ماہر ہونا صحابہ کے حق میں کوئی کمال نہیں تھا کسی ہنر کا کمال ہونا یا نہ ہونا اضافی چیز ہے ایک ہی ہنر ایک شخص کے حق میں کمال ہوتا ہے دوسرے کے حق میں نہیں ہوتا، دیکھئے امی ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو کمال تھا مگر ہمارے حق میں کوئی کمال نہیں ہے لہذا یہ سمجھ لینا کہ جو کمال ہوا کرتا ہے وہ سب کے حق میں کمال ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔ ہاں جب عرب نے فتوحات شروع کیں اور بصرہ و کوفہ میں جا اترے تو اس وقت سلطنت کو کتابت کی حاجت کا احساس ہوا اور رفتہ رفتہ اس فن میں ترقی شروع ہوئی [۵۱]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عرب میں فن کتابت نہایت قلیل تھا اور سب سے اول بشر بن عبد الملک نے اہل انبار سے فن کتابت سیکھا اور اس سے حرب بن امیہ اور اس کے بیٹے سفیان نے سیکھا۔ پھر حضرت عمر بن الخطابؓ نے حرب بن امیہ سے اور حضرت معاویہؓ نے اپنے چچا سفیان بن حرب سے۔ اس کے بعد ابن کثیرؒ نے بھی مثل ابنِ خلدون کے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ خط مصحف میں بہت سے مواقع میں صنعت کتابت کی وجہ وہی ہے جو ابن خلدون نے لکھی ہے [۵۲]

بلاذری لکھتا ہے کہ اصل خط عربی بنی طے سے شروع ہوا اُن سے اہلِ انبار نے پھر ان سے اہل حیرہ نے اور اہل حیرہ سے بشر بن عبد الملک نصرانی نے سیکھا پھر یہ شخص کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ آیا تو سفیان بن امیہ اور ابو قیس بن عبد مناف نے اُسے لکھتے دیکھا اور درخواست کی کہ انھیں بھی سکھا دے اس نے انھیں سکھایا اور اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) اسی مضمون کو محقق مورخ نے خوب واضح کیا ہے اور بتلایا ہے کہ سلف میں کتابت کے موجودہ دور کے لحاظ سے خامی کوئی خامی نہیں تھی کیونکہ نہ ان کا ماحول کتابت کا ماحول تھا نہ اس وقت یہ صنعت اس عروج پر تھی جس پر کہ آج ہے سلف اعتراض سے یوں بری ہوئے اور خلف یوں کہ انھوں نے اپنے آثارِ سلف کے جذبۂ تحفظ میں کوئی جدید تصرف گوارا نہیں کیا۔ ہاں محروم وہ ہیں جنھیں نہ وہ سمجھ ملی نہ یہ۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۵۱] اقتباس از مقدمہ ص ۲۲۸ و ص ۲۲۹ ۔ [۵۲] کتاب فضائل القرآن ص ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بشر سے دیارِ مصر اور اہل شام کے بہت سے لوگوں نے سیکھا[1]

پھر واقدی سے نقل کرتا ہے کہ عربی خط اوس و خزرج میں کچھ کچھ رائج تھا اور بعض یہود بھی خطِ عربی جانتے تھے اور اسلام سے قبل ہی مدینہ میں بچے فن کتابت سے آشنا ہو چکے تھے چنانچہ جب اسلام آیا تو اس وقت اوس و خزرج میں حسب ذیل کاتبین موجود تھے۔ سعد بن عبادۃ بن دلیم۔ المنذر بن عمرو۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت رافع بن مالک۔ اسید بن حضیر، معن بن عدی۔ بشیر بن سعد، سعد بن الربیع، اوس بن خولی، عبداللہ بن ابی المنافق۔[2]

پھر لکھتا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل قریش میں سترہ اشخاص ایسے تھے جو سب کے سب فنِ کتابت جانتے تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔ عمر بن الخطابؓ۔ علی بن ابیطالبؓ، عثمان بن عفانؓ۔ ابوعبیدہؓ۔ طلحہؓ۔ یزید بن ابی سفیان۔ ابوحذیفہؓ۔ حاطب بن عمرو۔ ابوسلمہ بن عبدالاسد۔ ابان بن سعید۔ خالد بن سعید، عبداللہ بن سعد، حویطب بن عبدالعزی۔ ابوسفیان بن حرب۔ معاویہؓ ابن ابی سفیان۔ جہم بن الصلت۔ العلاء الحضرمی۔

فرید وجدی لکھتا ہے کہ اسلام سے تقریباً ایک قرن پہلے عرب میں خط معروف نہ تھا کیونکہ ان کی حیوۃ اجتماعیہ حروب و غارات کی بدولت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ انھیں اس طرف توجہ ہی نہ ہو سکتی تھی۔ اس جگہ عرب سے مراد ارضِ حجاز ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا لیکن جو عرب کہ ایران و روم کے متصل رہنے والے تھے انھوں نے اور یمن میں بنو حمیر نے اور انباط نے شمالی جزیرہ عرب میں مدت دراز قبل ہی خط سیکھ لیا تھا البتہ بعض اہلِ حجاز جنھوں نے عراق و شام کی طرف سفر کیا تھا انھوں نے نبطی اور عبرانی و سریانی خط سیکھ لیا تھا اور کلام عربی اسی خط میں لکھا کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو خط نبطی سے خطِ نسخ بنا اور سریانی سے خطِ کوفی بنا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا وہ شخص جس نے یہ خط سیکھا ہے بشر بن عبدالملک کندی ہے اس نے انبار سے خط سیکھا اور ابوسفیان بن حرب کی بہن سے مکہ میں نکاح کیا اور قریش کی ایک جماعت کو یہ خط سکھایا۔

اسی طرح شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے "جب اسلام آیا تو اس وقت اسلام میں دس سے

---

[1] فتوح البلدان ۲؎۴۷۱ ۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اور اشخاص خط جاننے والے عرب میں موجود تھے جن میں سے عمرؓ، عثمانؓ، ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہؓ اور طلحہؓ وغیرہ ہیں انھوں نے دوسروں کو بھی لکھنا سکھایا اور کاتبوں کی کثرت ہوگئی شدہ شدہ خط درست ہوتا رہا یہاں تک کہ ابنِ مقلہ متوفی (۳۲۸) نے اس کی اصلاح کی [1]

ابنِ جریر طبری (المتوفی ۳۱۰) نے زیرِ عنوان کاتبینِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل نام شمار کرائے ہیں۔ ابیؓ بن کعب۔ عثمان بن عفانؓ۔ علی بن ابی طالبؓ۔ ابان بن سعید۔ حنظلۃ الاسدی، علاء بن الحضرمی، عبداللہ بن ابی سرح، عبداللہ بن ابی المنافق۔ معاویۃ ابن ابی سفیان [2]

ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳) نے پندرہ اسماء کا اس پر اور اضافہ کیا ہے۔ زید بن ثابت، عبداللہ بن الارقم۔ ابوبکر صدیقؓ۔ عمر بن الخطابؓ۔ زبیر بن العوام۔ خالد بن سعید۔ سعید بن العاص۔ خالد بن الولید۔ عبداللہ بن رواحہ۔ محمد بن سلمہ۔ مغیرۃ بن شعبہ۔ عمرو بن العاص۔ جہم بن الصلت۔ معیقیب۔ شرحبیل [3]

یہ مختلف اشخاص کتابت کی مختلف خدمات پر مامور تھے مثلاً کوئی مراسلات کی خدمات پر مامور تھا تو کوئی کتابتِ وحی پر کوئی دوسرا عہد و صلح کی کتابت پر۔ بہرحال یہ صرف ایک نمونہ تھا آپ اگر استیعاب کا ارادہ کریں تو کتبِ تاریخ و سیر کا مطالعہ کرنا چاہیے ہماری غرض تو یہاں صرف اتنی ہے کہ ان تفاصیل کے بعد لازمی طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام سے قبل فن کتابت عرب میں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہؓ بھی فنِ کتابت کو جانتے تھے اور اس سلسلہ کی مختلف خدمات انجام بھی دیتے تھے۔

ولیم میور لکھتا ہے "اس میں شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوی نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فنِ تحریر مروج تھا اور مدینہ میں جاکر تو خود پیغمبر نے اپنے مراسلات لکھوانے کے لئے کئی کئی صحابہ مقرر کئے تھے جو لوگ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تھے انھیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھادیں اور اگرچہ اہلِ مدینہ، اہل مکہ کی برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے

---

[1] دائرۃ المعارف ص ۴۲۱/۶ و ۴۲۳/۶۔ [2] تاریخ طبری ص ۱۸۳/۱۳۔ [3] استیعاب ص ۲۷/۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے [۱]

یہ تو ایک تاریخی شہادت تھی جو ہم نے پیش کی لیکن ہمارے نزدیک کسی قوم کے عادات و اخلاق صنائع و حرف کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے زیادہ موزوں ان کے اشعار ہیں کہ وہی ان کے تخیل کا صحیح آئینہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں شعراء جاہلیت کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ فنِ کتابت زمانۂ جاہلیت میں ضرور موجود تھا لبید بن ربیعہ کہتا ہے [*]

وجلا السیول عن الطلول کانھا زبرٌ تجدُّ متونھا اقلامھا

شاعر نے شعر مذکور میں سیل کے ان نشانات کو جن کو مٹی نے دبا دیا تھا پھر ظاہر کر دینے کو محو شدہ کتابت کے دوبارہ تازہ کر دینے سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ماحول میں ضرور اقلام و زبر اور کتابت کا صرف وجود ہی نہیں بلکہ ایسا رواج تھا جس کو وہ لوگ بطریق تشبیہ و تفہیم بھی استعمال کر سکتے تھے۔ لہذا یہ یقینی و لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ عرب میں اسلام سے قبل فنِ کتابت آ چکا تھا۔[۲] رہا یہ کہ فن کتابت عربیہ کی اصل ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اسے اہلِ تاریخ خود فیصلہ فرمادیں اس وقت ہم اس میں دخل دینا نہیں چاہتے۔[۳]

حفظِ صدر رہ گیا حفظِ صدر تو عرب اپنے بے مثل حافظہ میں بھی ہمیشہ ضرب المثل رہا ہے۔ ان کے حافظہ کا یہ ایک ادنیٰ ثبوت ہے کہ امی محض اور تعلیم سے بالکل ناآشنا ہو کر اپنے حروب و اشعار و انساب کا بالتفصیل ذخیرہ جو ان کی زبان پر رہا ہے اس کا عشر عشیر کسی دوسری قوم میں ثابت نہیں ہوتا۔

اصمعی جو بہت متاخر ہے کہتا ہے کہ بلوغ سے قبل ہی بارہ ہزار اشعار عرب کے مجھے یاد تھے۔ عرب کے حافظہ کے سلسلہ میں کتاب الوشی المرقوم میں لکھا ہے کہ ہمدانی نے تو اس کا دعویٰ کر دیا تھا کہ تاریخ عالم کے موسس عرب ہی تھے حتیٰ کہ جو تاریخ بھی عرب و عجم کی کسی کے پاس ہے وہ سب عرب ہی کی بیان کردہ ہے۔

فرانس کا ایک وزیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ لغتِ قریش ایک نہایت وسیع لغت ہے بالخصوص ان امور کے متعلق اس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا جن کا تعلق ان کی معیشت اور طور زندگی سے

---

[۱] دیباچہ لائف آف محمد۔ [۲] بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب ص ۳۶۸ ج ۳ [۳] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ابن الندیم۔
[*] مگر لبید شاعر جاہلی نہیں بلکہ مخضرمی ہے (برہان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستہ ہے اسی وسعت کی بنا پر جو وسعت ادب وشعر کی اس زبان میں ہے وہ ظاہر ہے اس زبان کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک شہد کے اسی نام اور اژدھے کے دو سو اور شیر کے پانچسو اور اونٹ کے ایکہزار اور اسی طرح تلوار کے ہزار اور مصیبت کے چار ہزار نام ہیں بلاشبہ ایسے وسیع لغت کا احاطہ کرنے کے لئے ایک نہایت زبردست حافظہ کی ضرورت ہے اور بلاشبہ قوتِ حافظہ اور حدت فکر کی یہ نعمت جو عرب کو میسر تھی اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حماد کا واقعہ ہے کہ ایک دن خلیفہ ولید کے سامنے کہا کہ وہ سو قصاید ابھی ایسے سنا سکتا ہے جو بیس سے سو اشعار پر مشتمل ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ سامعین سنتے سنتے اکتا گئے اور وہ پڑھتے پڑھتے نہیں اکتایا۔

یہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جو خالص یورپین ہے اور بہانگِ دہل عرب کے بے نظیر حافظہ کا اعتراف کر رہا ہے [۱]

ولیم میور لکھتا ہے کہ عرب نظم کے بہت دل دادہ اور مشتاق تھے لیکن ان کے پاس ایسے اسباب نہ تھے جن سے وہ اپنے شاعروں کا کلام ضبطِ تحریر میں لا سکتے اس لئے زمانہ دراز تک یہاں یہی رواج رہا کہ وہ اپنے شعراء کے اشعار اور اکابر کی تاریخ اپنے قلب کی زندہ لوح پر نقش کر لیتے تھے اسی طریق سے ان کی قوتِ حافظہ نہایت کامل ہو گئی تھی اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ روح کے ساتھ پورے اخلاص و شوق سے قرآنِ کریم کے حفظ کرنے میں کام آئی [۲]

لہذا جہاں ایک طرف عرب میں قبل از اسلام کتابت کا تاریخی ثبوت ملتا ہے اس کے ساتھ ہی موافق و مخالف زبانیں اس شہادت پر متفق نظر آتی ہیں کہ بلاشبہ قوتِ حافظہ میں بھی عرب اپنا آپ ہی نظیر تھا۔ اب ہم اس سے زیادہ اس مضمون کو طول دینا نہیں چاہتے اور اس ضمنی مضمون کو ان چند غیر مسلم شہادات پر ختم کرنے کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو بلوغ الارب صفحہ ۔ [۲] دیکھو دیباچہ لائف آف محمد۔

© rasailojaraid.com